ذکر مصحفی

(جناب نثار احمد صاحب فاروقی یونیورسٹی لائبریری دہلی)

(۵)

اب یہ سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ جب مولوی عبدالقادر غمگین رامپوری، خود مصحفی سے جا کر ملے ہیں، اور اُن سے اپنی ملاقات کا حال روزنامچے میں لکھ رہے ہیں، تو ان کی حیثیت شاہد عینی کی ہوئی پھر ان کی شہادت قبول کرنے میں تامل کیوں ہو۔ اس کا ایک پہلو تو واقعاتی ہے، جسے ہم گذشتہ صفحات میں پیش کر چکے ہیں، اور دوسرا پہلو ظنی و قیاسی۔ یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ روزنامچہ نگار کو تسامح ہوا ہو، مصحفی نے اکبرپور ہی بتایا ہو، اور تحریر کے وقت اسے یاد نہ رہا ہو۔ یا سہو قلم سے ایسا لکھ دیا ہو۔ یہ بات کچھ ایسی بعید بھی نہیں۔ بیشتر سفرنامے اور روزنامچے ایسی غلطیوں سے معمور نظر آتے ہیں۔ مشہور عالم سیاح، ابن بطوطہ جب ہندوستان آیا تھا اور یہاں کی سیر و سیاحت کرنے کے بعد اپنے وطن طنجہ کو واپس ہونے لگا تو اس کے تمام کاغذات اور سیاحت کی یادداشتیں ایک طوفانی حادثے میں دریا برد ہو گئی تھیں۔ مجبوراً، اپنے وطن پہنچ کر محض حافظے پر اعتماد کر کے اس نے سفرنامہ مرتب کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ بعض عجیب و غریب قسم کی باتیں اُس میں راہ پا گئی ہیں جو بیک نظر ہی غلط معلوم ہوتی ہیں۔

دوسرا شبہہ یہ ہے کہ مولوی عبدالقادر غمگین، سیلانی آدمی تھے، اور سیر و سیاحت ان کا خاص شغل تھا امروہہ سے اور وہاں کے سربرآوردہ خاندانوں سے وہ نا واقف نہ ہوں گے خصوصاً ایسی صورت میں کہ وہ غالباً ۱۸۰۰ء کے لگ بھگ امروہہ کے کوتوال بھی رہے تھے[۱]۔ اور اُس زمانے میں امروہہ کی کوتوالی محلہ چوک میں تھی جو محلہ کالی پگڑی سے بالکل متصل ہے۔ اور جہاں مصحفی اور

---

[۱] اردو ادب، جلد ۳ شمارہ ۱ ص ۲۳۔

[ان] کے خاندان کی سکونت بتائی جاتی ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ مصحفی نے قصداً اپنے وطن کو ان پر ظاہر نہ کیا ہوگا۔ اس کے دو اسباب ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ وہ کوئی عالی نسب انسان نہیں تھے اور کم از کم مصحفی کے زمانے میں نسبی امتیاز کی بڑی اہمیت تھی۔ دوسری بات یہ کہ مخلص کی ملاقات سے پہلے "تذکرۂ مصحفی و انشا" ہو چکا تھا اور وہ اپنے کلام کو مستند ظاہر کرنے کے لئے اپنے دہلوی ہونے کا تذکرہ جگہ جگہ فخر کے ساتھ کرتے رہتے تھے۔ شاید اسی لئے انھوں نے اپنا مولد مخفی رکھا ہوگا۔

د۔ امروہہ | اکبر پور سے مصحفی کے تعلق کی وضاحت پہلے کر دی گئی۔ تلم گرٹھ (یا بلبھ گڑھ) کے بارے میں مولوی عبدالقادر کے بیان کے سوا اور کوئی خارجی یا داخلی شہادت ملتی نہیں۔ اب امروہے کے مولد و مسکن ہونے کا ثبوت باقی رہ جاتا ہے۔ اس سلسلے کی بھی کچھ شہادتیں اوپر گذر چکی ہیں، جن میں خود مصحفی کے بیانات بھی ہیں جن سے ان کی سکونت امروہہ کا حال کھلتا ہے۔ دوسری شہادت سید اصغر حسین نقوی مولف "تاریخ اصغری" کی ہے۔[۱] جنھوں نے محلہ کالی پگڑی کے ذیل میں ولی محمد اور مصحفی کا تذکرہ کیا ہے۔ تیسری قریب العہد شہادت سید آل حسن مودودی امروہوی کی ہے۔ ان کی مولفہ کتاب "نخبۃ التواریخ" ۱۲۹۶ھ/۱۸۸۰ء میں امروہے سے شائع ہوئی تھی اور اب کیاب ہے۔ اس میں انھوں نے ضمناً مصحفی کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

"در شعرا استادِ زمانہ، غلام ہمدانی مصحفی بسیار نامدار در گذشتہ ...۔"[۲]

مجمع الفوائد کی عبارت، مصحفی کے کلام کی داخلی شہادت اور ان کے تذکروں کے تراجم سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصحفی کا خانوادہ امروہہ ہی میں آباد تھا۔ ان سب کی نسل منقطع ہو گئی اس لئے اب اُن کے بارے میں تصدیق دشوار ہے

مولد دہلی | جو تھا بیان مورخوں، تذکرہ نگاروں اور بعض معتبر شاہدوں کا وہ ہے جس میں مصحفی کو "باشندۂ دہلی" یا "باشندۂ مضافاتِ دہلی" کہا گیا ہے۔ ابوالقاسم میر قدرت اللہ خاں قاسم (متوفی ۱۲۳۶ھ) نے اپنے تذکرہ "مجموعہ نغز" (سال تالیف مابین ۱۲۲۱ھ و ۱۲۰۲ھ) میں لکھا ہے :-

---

[۱] تاریخ اصغری/۱۲۹۔ [۲] آل حسن مودودی: نخبۃ التواریخ/۱۴ (۱۸۸۰ء)۔

از مردم بیرونجات است۔ اما بہ تقریب روزگار بالکل نہالے خود در بدو شعور و در حضرت دہلی شدہ نشوونما یافتہ...."[1]

اس پر منشی امیر احمد علوی مرحوم لکھتے ہیں کہ :

"میر قدرت اللہ قاسم دہلوی بھی مصحفی کے دوست تھے اور ان کے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے اپنے ضخیم تذکرۂ شعرا میں مصحفی کو ساکن امروہہ نہیں لکھتے بلکہ "مردم بیرونجات" سے قرار دیتے ہیں جس سے مقصود "باشندۂ مضافات دہلی" بھی ہو سکتا ہے۔"[2]

اس تاویل کے جواب میں، اس کے سوا کیا کہا جائے کہ علوی صاحب یا تو "بیرونجات" کے معنی نہیں سمجھے، یا انھیں یہ خبر نہیں کہ "مضافات دہلی" کے حدود اس زمانے میں کہاں تک پھیلے ہوئے تھے۔ خود مصحفی نے بھی جگہ جگہ دہلی پر اس طرح فخر کیا ہے، گویا یہ ان کا وطن ہے۔

دلّی کہیں ہیں جس کو زمانے میں مصحفی　　میں رہنے والا ہوں اسی اجڑے دیار کا

یا ؎

بعضوں کا گماں یہ ہے کہ ہم بھی زباں داں ہیں　　دلّی نہیں دیکھی ہے زباں داں یہ کہاں ہیں

وغیرہ۔

اس میں شک نہیں کہ انھوں نے دہلی کی گلیوں میں بقول ریاض اپنی "جوانی کھوئی تھی" اور عمر عزیز کے تقریباً ۱۳۔۱۴ سال وہاں گذارے تھے۔ وہاں کے اہل کمال، صوفیا، شعرا، علما اور فضلا کی صحبت میں بیٹھے تھے۔ شعر و سخن کے چرچے سنے تھے اور یہی ایک زمانہ ان کی پوری زندگی میں ایسا تھا جب وہ پاؤں میں "حنائے قناعت" لگا کر دل جمعی سے اس طرح بیٹھ رہے کہ:

"ہرگز برائے تلاش معاش در آں شہر احیاء امورات بر در کسی نہ رفتہ۔"[3]

پس اگر وہ دہلی کو اپنا وطن سمجھیں، اس سے تعلق خاطر کا اظہار کریں، اور اس سرزمین سے

---

[1] قاسم: مجموعۂ نغز جلد ۲/ ۱۸۸۔۱۸۹ (۱۹۳۳ء) [2] نگار جلد ۳۵ شمارہ ۱/ ۱۰ (مصحفی نمبر ۱۹۳۹ء)

[3] مصحفی: تذکرہ ہندی ۲۴۰/ ۲۴۷

دہلی کو سرمایۂ فخر جانیں، تو یہ کچھ ایسا نامناسب نہیں۔ مگر اس سے لازماً یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ دہلی اُن کا وطن اور مسقط الراس بھی ہے۔

زمانۂ قیام امروہہ

مصحفی کے اپنے بیانات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اُن کی کتب نشینی کا ابتدائی زمانہ امروہہ میں ہی گذرا۔ دوسرے معتبر تذکرہ نگاروں نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ لکھتے ہیں:

"در عنفوانِ جوانی بہ جہاں آباد آمدہ، طرحِ اقامت افگندہ۔"[1]

اسی طرح قدرت اللہ قاسم، مجموعۂ نغز میں یہ تصریح کرتے ہیں کہ:

"در بدوِ شعور وارِدِ حضرت دہلی شدہ، نشوونما یافتہ۔"[2]

کریم الدین بھی یہی لکھتے ہیں کہ:

"عنفوانِ شباب میں درمیان شاہجہاں آباد کے آیا، اسی جائے مقیم ہو کر یہاں کے لوگوں سے ملاقات پیدا کی۔"[3]

اور ناسخ نے بھی یہی روایت کی ہے:

"شروع جوانی میں دہلی گئے۔"[4]

اس طرح اُن کا سنِ شعور تک امروہہ میں رہنا ثابت ہے۔ بعض شعراء سے انھوں نے اپنی ملاقات کا حال بھی لکھا ہے جس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ دہلی آنے سے پہلے ہی ان کی شعر گوئی کا آغاز ہو گیا تھا۔ اور بعض تذکرہ نگاروں کے بیان سے یہ جو مترشح ہوتا ہے کہ دہلی ہی میں شعر و شاعری کا چرچا دیکھ کر وہ غزل سرائی کی طرف راغب ہوئے یہ قطعاً غلط ہے۔ دہلی کے ایک شاعر محتشم خاں تھے، محتشم اُن کا تخلص تھا، قوم کنبوہ سے تعلق رکھتے تھے، اُن کے بیان میں لکھا ہے:

"شخصِ مسن و عمدہ معاش بود، فقیر اوّل در ابتدائے شاعری خود در قصبۂ امروہہ دیدہ بود۔"[5]

۱؎ شیفتہ: گلشنِ بےخار/ ۱۷۷ ۲؎ مجموعۂ نغز جلد ۲/ ۱۸۹ ۳؎ کریم الدین: طبقات الشعراء/ ۳۵۰ ۴؎ ناسخ: سخن شعراء/ ۴۴۴ ۵؎ مصحفی: عقدِ ثریا/ ۵۲۔

اسی طرح میر عبدالرسول نثارؔ، اکبر آباد کے رہنے والے اور میر تقی میرؔ کے شاگرد تھے۔ میرؔ نے لکھا ہے:

"از یارانِ فقیر مولف است، چنانچہ بمشورتِ من می گوید"۱؎

یہ قادریہ سلسلہ میں بیعت بھی تھے۔" دہلی کے قیام میں ساداتِ امروہہ، بالخصوص سید ابد آل محمد بن سید منور (ساکن محلہ لکڑہ) سے مراسمِ اتحاد و یگانگت پیدا ہو گئے تھے۔ اسی تعلق سے امروہہ چلے آئے اور پھر یہاں سے باہر نہ گئے"۲؎

مصحفی نے اُن سے اپنی ملاقاتوں کا حال لکھا ہے:

"فقیر او را در ابتدائے شاعری در قصبۂ امروہہ دیدہ بود، اکثر بعد ہفتہ و عشرہ ملاقات می شد، و در تذکرۂ شعر بیاں می آمد۔ از معاصرانِ میر و مرزا شاعرِ سحر کار، و با فصاحت و بلاغت دیدمش۔ عمرش تخمیناً قریب بشصت خواہد بود، حال معلوم نیست کہ زندہ است یا مردہ...."۳؎

نثارؔ کے تذکرے میں قائمؔ چاند پوری نے لکھا ہے:

"دریں ایّام سابقۂ آشنائی سادات آنجا بطرفِ امروہہ رفت"۴؎

قائمؔ نے اپنا تذکرہ تقریباً ۱۱۵۷ھ (۴۴-۱۷۴۳ء) میں شروع کیا، اور پہلی بار اس کا اختتام ۱۱۶۸ھ (۵۵-۱۷۵۴ء) میں ہوا، گو اس میں اضافے ۱۱۷۶ھ (۶۳-۱۷۶۲ء) تک ہوتے رہے۵؎

میرؔ اپنا تذکرہ ۱۱۶۵ھ میں مکمل کرتے ہیں، اور اس وقت نثارؔ کے امروہہ جانے کا ذکر نہیں کرتے۔ اس سے صریحاً یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ نثارؔ نے امروہہ کا یہ سفر ۱۱۶۵ھ اور ۱۱۶۸ھ کے درمیان کسی سال میں کیا ہوگا۔ جسے قائمؔ "دریں ایّام" سے تعبیر کرتا ہے۔

انتقال کے بعد شاہ عبدالرسول نثارؔ، سید ابد آل محمد کی بنائی ہوئی مسجد کے گوشۂ شمال و مشرق میں دفن ہوئے اس پر ابد آل محمد نے بہت خوشنما مقبرہ تعمیر کرا دیا تھا۔ اس مسجد کی جائداد کا وقف نامہ ۲ شعبان ۱۱۸۱ھ کو لکھا گیا۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ نثارؔ جو اسی مسجد کے ایک گوشے میں دفن ہیں

۱؎ میر: نکات الشعرا/ ۱۴۳، طبع ثانی ۲؎ عباسی: تذکرۂ اکرام/ ۱۴۲ ۳؎ مصحفی: ہندی/ ۲۵۲ ۴؎ مخزن نکات/ ۱۴۲ (۱۹۲۹ء) ۵؎ تفصیل ملاحظہ ہو: دیباچہ دستور الفصاحت/ ۵۰ تا ۵۱۔

۱۱۹۱ھ کے بعد ہی راہیٔ ملکِ عدم ہوئے، اور مصحفی سے ان کی ملاقات کا یہی زمانہ ہے جب کہ مصحفی کی عمر ۱۰ اور ۲۰ سال کے درمیان رہی ہوگی۔ ۱۱۸۶ھ تک مصحفی امروہہ کو خیرباد کہہ چکے تھے۔

ثنا کے علاوہ، مصحفی نے "شاہ عالم پیرزادہ" کا تذکرہ بھی کیا ہے، لکھتے ہیں:-

"شاہ عالم پیرزادہ، محزون تخلص، ساکن قصبہ امروہہ۔ در ایامیکہ فقیر مکتب نشین بود، اندراں ضلع شہرت بہ شاعری داشت در ماہِ محرم مرثیہ و سلام نیز می گفت و می خواند۔"[1]

اس عبارت سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے کہ مصحفی کی مکتب نشینی کا زمانہ امروہے میں گذرا اور انھیں بدوِ شعور ہی سے شعر و شاعری کا چسکا لگا ہوا تھا۔ محزون کے تین شعر بھی انھوں نے نقل کئے ہیں جو اسی زمانے سے حافظے میں محفوظ تھے۔ محزون ہی سے انھوں نے گوہری بدایونی کے دو شعر سنے ہوں گے وہ تذکرے میں نقل کئے ہیں اور لکھا ہے:

"دو شعرش کہ زبانیٔ شاہ عالم پیرزادہ در عالم طفولیت شنیدہ بودم، بیاد است۔"[2]

غرض، داخلی اور خارجی شہادتوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مصحفی "سنِ شعور" کو پہنچنے کے بعد دہلی آئے تھے۔ اور ان کی تعلیم و تربیت کا ابتدائی زمانہ امروہہ ہی میں گذرا۔ قاضی عبدالودود صاحب کا یہ بیان ہم نے پہلے بھی نقل کیا ہے کہ "وہ کم از کم پچیس برس کی عمر میں دہلی پہنچے ہیں"[3]۔ قدرت اللہ خاں قاسم اور شیفتہ بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ اُن کا سال پیدائش ۱۱۶۱ھ تسلیم کیا جائے تو امروہہ سے رخصت ہونے کا زمانہ ۱۱۸۶ھ ہوتا ہے۔ دراں حالیکہ ۱۱۸۵ھ میں مصحفی کشمیر میں موجود تھے۔ اندریں صورت یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ وہ ۲۳-۲۴ سال کی عمر میں، ۱۱۸۴-۸۵ھ کے مابین امروہہ سے ترک وطن کر کے نکلے۔ اور ایسے نکلے کہ پھر کبھی وہاں جانا نصیب نہ ہوا؎

اے مصحفی نہ دیکھا روئے وطن پھر آ کر
شاید کہ جھینکتا تو، اے یار گھر سے نکلا

تعلیم و تربیت | یہ ضرور ہے کہ ابتدا میں مصحفی کو باقاعدہ تحصیلِ علم کا موقع نہیں ملا۔ اور مکتب نشینی کا

[1] ہندی/۲۲۰ [2] ایضاً/۱۹۸ [3] معاصر حصّہ ۸۔

جو زمانہ انھوں نے اپنے وطن میں گذارا اس میں رواج زمانہ کے مطابق فارسی و عربی میں نصاب کی ابتدائی کتابیں ہی پڑھی ہوں گی، اور اسی دور کو انھوں نے "ایامِ مکتب نشینی" سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں وہ شعر کہتے تھے، اور اساتذہ کے شعر ذوق و شوق سے سنتے تھے، انھیں حافظے میں محفوظ بھی رکھ سکتے تھے[1]۔ مکتب نشینی کے اسی زمانے میں ان کی ملاقاتیں محتشم خاں محتشم، میر عبدالرسول نثار، شاہ عالم محزوں وغیرہ سے ہوتی تھیں، اور ان میں شعر و شاعری کا بھی چرچا ہو جاتا تھا۔ کسی بالکل بے استعداد، کم سواد اور "طفلِ مکتب" کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ نثار جیسے اساتذہ سے ملے تو شعر و سخن کی محفل بھی گرم ہو۔ اس لئے بجا طور پر قیاس یہ کہتا ہے کہ عربی کی کمتر اور فارسی کی بیشتر شُدبُد انھیں امروہے ہی میں حاصل ہو گئی ہو گی۔ دہلی آنے کے بعد انھوں نے جو کچھ پڑھا اور اپنے مبلغِ علم میں اضافہ کیا، اس کی تفصیل تو ہمیں تذکروں سے معلوم ہو جاتی ہے، اور وہ آگے درج بھی ہو گی، لیکن قیامِ امروہہ کے زمانے کی علمی تحصیل اور درسی کتب کی تفصیل کا حال کچھ نہیں کھلتا۔

شعر گوئی کا آغاز اوپر بیان کی گئی روداد سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے ترکِ وطن سے پہلے ہی شاعری شروع کر دی تھی، لیکن کب شروع کی، اس کا تعین اور تحقیق بہت دشوار ہے۔ یہاں بھی قیاس ہی کچھ رہبری کرتا ہے کہ اگر ہم عبدالرسول نثار کا سالِ وفات ۱۱۸۱ھ تسلیم کریں تو اس سال سے پہلے ہی مصحفی کی ان سے ملاقاتیں رہی ہوں گی۔ اور اندریں صورت یہ حکم لگایا جا سکتا ہے کہ اندازاً ۱۵ - ۱۶ برس کی عمر میں وہ شعر موزوں کرنے لگے تھے۔ اور زیادہ سے زیادہ یہی عمر کسی شخص کی "مکتب نشینی" کی ہو سکتی ہے۔

---

[1] "شہید از دندۂ میر و مرزاست پختہ گو معلوم می شود۔ دو شعر از دو انعالمِ مکتب نشینی یاد دارم۔ از دست:

گئے برباد یہ نالہ و فریاد یا قسمت　　بہار آخر ہوئی تب ہم ہوئے آزاد یا قسمت

شہید آخر تو رہتا ہمیں حسرت میں ہی دنیا　　ہمارے سر پہ آ کر پھر گیا جلاد یا قسمت

(تذکرۂ ہندی/۱۳۸)

تذکرہ — مصحفی نے صراحۃً تو کیا، بھول کر بھی اپنے اُستاد کا نام نہیں لکھا، جس سے ابتدا میں کلام پر اصلاح لی ہوگی۔ لیکن ایک بیان میں ایسا اشارہ مل جاتا ہے جس سے معلوم ہو سکے کہ انھوں نے ابتدائی کلام پر امروہہ کے کسی استاد سے مشورہ کیا تھا۔ سید محمد زماں، زماںؔ تخلص امروہہ کے سادات عالی تبار میں تھے مصحفی نے لکھا ہے کہ دنیا کی بے وفائی پر نظر کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی اور ایک باغ میں بیٹھے رہتے تھے:

"فقیر ہمراہ استاد خود روزے در عالم مکتب نشینی و ابتدائے شوق موزونی بصحبت ایشاں رسیدہ بود"[1] (باقی)

---

[1] تذکرۂ ہندی/ ۱۱۰۔

تاریخ اسلام پر ایک نظر

یہ اسلامی تاریخ کے مختلف دوروں کے تمام ضروری واقعات و حالات کا نہایت جامع اور مکمل خاکہ ہے جس کی ترتیب میں تاریخ نویسی کے جدید تقاضوں کو سامنے رکھا گیا ہے۔ طرزِ بیان نہایت ہی دلنشین اور دلپذیر ہے۔

تاریخ اسلام پر علماء اسلام نے اگرچہ عربی، فارسی، اردو اور دوسری زبانوں میں بڑی بڑی محققانہ کتابیں لکھی ہیں لیکن اس زمانہ کے انگریزی تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لئے ایک ایسی جامع اور مختصر تاریخ کی شدید ضرورت تھی جسمیں نہ صرف آنحضرت صلعم اور خلفائے راشدین کے سوانح حیات کے ساتھ خلافت بنی اُمیہ، خلافت بنی عباس، خلفائے فاطمین، عثمانی سلاطین اور دیگر مسلم بادشاہوں کے حالات درج ہوں بلکہ اس میں اسلامی معاشرت و تمدن اور مسلمانوں کی شاندار علمی خدمات کا بھی موثر انداز میں ذکر ہو اور تاریخی حقائق کے نتائج پر بھی بصیرانہ نظر ڈالی گئی ہو۔

اس کتاب سے یہ کمی پوری ہو گئی ہے اور تاریخ اسلام پر ایک تحقیقی اور نفیس کتاب سامنے آ گئی ہے صفحات ۵۲۸ اعلیٰ درجہ کا کاغذ، عمدہ طباعت و کتابت، سائز نہایت موزوں اور خوبصورت۔ قیمت چھ روپے مجلد سات روپے آٹھ آنے۔